اپنے فرائض کی ادائیگی میں رات دن منہمک رہو

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اپنے فرائض کی ادائیگی میں رات دن منہمک رہو

(فرمودہ ۷؍ اگست ۱۹۴۸ء بمقام کوئٹہ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

اچھا کام تعریف کے قابل ہوتا ہے اور بُرا کام مذمت کے قابل ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی استاد اپنے شاگردوں کا دل بڑھانے کیلئے ان کے تھوڑے اور نامکمل کام کو بھی قابلِ تعریف ظاہر کرتا ہے اور کبھی وہ ان کے اندر نیا عزم پیدا کرنے کیلئے ان کے اچھے کاموں کو بھی قابلِ اعتراض اور قابلِ تنقید قرار دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے شاگرد اپنے کاموں کی طرف زیادہ توجہ کرنے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

عرفی یا انوری ان دونوں میں سے کسی ایک کے متعلق مجھے ایک واقعہ یاد ہے۔ وہ ذکر کرتا ہے کہ میں شعر کہا کرتا تھا اور اصلاح کے لئے استاد کے پاس لے جایا کرتا تھا مگر وہ بڑی سختی کے ساتھ ان پر تنقید کیا کرتا تھا۔ اتنی سخت تنقید کہ وہ مجھ سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے اپنے متعلق احساس پیدا ہو گیا تھا کہ میں بڑا اچھا ادیب بن گیا ہوں لیکن میں نے متواتر دیکھا کہ میرا استاد برابر جرح کرتا چلا جاتا تھا۔ میں نے یہ خیال کر کے کہ یہ جرح نامناسب ہے اور تعصب پر مبنی ہے ایک دفعہ شرارت کر کے پرانی کاپیوں سے کچھ کاغذ اُکھیڑے اور ان کی جِلد بنالی اور خط بدل کر کسی سے چند نظمیں ان پر نقل کرالیں اور اپنے استاد کے پاس لے گیا۔ میں نے کہا مجھے اپنے والد صاحب کی لائبریری میں سے پُرانے شاعروں کے کلام کے یہ اجزاء ملے ہیں۔ انہوں نے وہ نظمیں پڑھنی شروع کی ہی تھیں کہ بے تحاشہ تعریف کرنی شروع کر دی کہ یہ بڑا اعلیٰ درجہ کا کلام ہے اس نے بہت ہی عمدہ کہا ہے۔ وہ کہتا ہے جب میں نے یہ تعریفیں سنیں

تو کہا استاد جی! بس رہنے دیجئے۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ آپ بِلا وجہ مجھ پر تنقید کرتے رہے ہیں۔ یہ میرے ہی شعر تھے جو میں پُرانے کاغذوں پر لکھ کر لے آیا ہوں اور میں نے یونہی آزمانے کے لئے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ پُرانی نظمیں ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ جب میں نے یہ بات کہی تو میرے استاد کا چہرہ افسردہ ہوگیا اور اس نے کہا میں تو سمجھتا تھا کہ میں اپنے پیچھے ایک ایسا شاگرد چھوڑ جاؤں گا جس کا فارسی زبان میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکے گا مگر آج تم نے یہ جرأت کی ہے تو اس کی وجہ سے اب تمہاری تمام ترقی ختم ہوگئی ہے۔ میں دشمنی کی وجہ سے تم پر تنقید نہیں کیا کرتا تھا بلکہ اس لئے تنقید کرتا تھا کہ تا تم زیادہ سے زیادہ کوشش کرو اور تمہارے مخفی جوہر زیادہ سے زیادہ ظاہر ہوں۔ اگر میں کہہ دیتا کہ تم اچھے شاعر بن گئے ہو تو تم مزید محنت نہ کرتے یہ جرح ہی کا نتیجہ ہے کہ تم نے خوب زور لگایا اور محنت سے کام لیا اور اب تم صاحب کمال بن گئے ہو لیکن اب تمہاری ترقی ختم ہوگئی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ واقعہ یہی ہے کہ میں نے پھر اس سے زیادہ ترقی نہیں کی۔

پس تنقید کئی وجوہ سے ہوتی ہے۔ کبھی کام کرنے والے کی تعریف کی جاتی ہے کہ کم حوصلہ انسان سست نہ ہو جائے اور ہمت نہ ہار بیٹھے اور کبھی سخت تنقید کی جاتی ہے تا باحوصلہ آدمی زیادہ سے زیادہ اپنے دماغ پر زور ڈال کر اپنے مخفی جوہر کو باہر نکالنے کی کوشش کرے۔ یہ کام بہت ہی مشکل ہے۔ فطرت کا سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ جیسے اس استاد نے غلطی کی اور اتنی سخت تنقید کی کہ جس سے شاگرد مایوس ہوگیا اور آخر اس نے دھوکا دیا جس کی وجہ سے وہ آئندہ ترقی حاصل نہ کر سکا۔ پس کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان غلط اندازہ لگاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ فلاں آدمی بہت بلند حوصلہ ہے۔ اس پر جتنی بھی تنقید کی جائے اتنی ہی وہ محنت کرے گا اور اس کے مخفی جوہر ظاہر ہوں گے لیکن اس کا نتیجہ اُلٹ نکلتا ہے وہ کم حوصلہ اور کم ہمت ہوتا ہے اور اس تنقید کی وجہ سے وہ مایوس ہو جاتا ہے اور آئندہ ترقیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ پھر بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ یہ کم حوصلہ اور کم ہمت ہے اس کی ہمت و حوصلہ بڑھانے کے لئے وہ اس کی تعریف شروع کر دیتا ہے لیکن وہ کم حوصلہ نہیں ہوتا اگر وہ اس پر تنقید کرتا تو اس کے مخفی جوہر ظاہر ہوتے لیکن استاد نے اس کا اندازہ غلط لگایا اور کم حوصلہ سمجھ کر تعریف کر دی۔ اس تعریف کی وجہ سے وہ

محنت اور مزید جدوجہد نہیں کرتا۔ اس لئے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا اور ان اعلیٰ ترقیات سے محروم ہو جاتا ہے جن کا حصول اس کے لئے ممکن تھا۔ مگر ان خطرات کے درمیان بہرحال ایک تیسرا راستہ بھی ہے اور وہ یہ کہ انسان اچھے کام کی تعریف کرے اور بُرے کی مذمت کرے۔ بعض غلطیاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ تھوڑی سی کوشش سے درست ہو جاتی ہیں اور اگر انہیں نظر انداز کیا جائے تو قومی ترقی رُک جاتی ہے۔

کوئٹہ میں مَیں پہلی دفعہ آیا ہوں۔ اگرچہ یہاں کے خدام میں سے بعض نے قادیان میں تعلیم پائی ہے اور بعض کے ماں باپ بھی وہاں رہتے تھے مگر پھر بھی ان کے کاموں پر مجھے تنقید کا اس طرح موقع نہیں ملا جیسے آج ملا ہے۔ میں جب سے یہاں آیا ہوں میں محسوس کرتا ہوں کہ یہاں کے خدام علمی حصے کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ مثلاً جس خادم نے تلاوت کی ہے اُس نے اِس امر کو ملحوظ نہیں رکھا کہ قرآن مجید صحیح طور پر پڑھا جائے۔ اگر وہ تھوڑی سی اس امر کی کوشش کرتے تو بڑی آسانی کے ساتھ صحیح طور پر تلاوت کر سکتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے بِالعموم الف کو فتح کے ساتھ ادا کیا ہے۔ ان کی تلاوت میں ۵۰ یا ۶۰ فیصدی الف تھے جو انہوں نے فتح کے ساتھ ادا کئے ہیں۔ حالانکہ الف اور فتح الگ الگ چیزیں ہیں اور ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ اسی طرح انہوں نے مدات کو بِالعموم گرا دیا ہے۔ یعنی جہاں دو الف تھے وہاں انہوں نے ایک ہی الف پڑھا ہے اسی طرح اور باتیں بھی تھیں جنکی وجہ سے تلاوت ناقص ہو گئی۔

میں اس بات کا قائل نہیں کہ کوئی شخص اس بات میں لگا رہے کہ قاری کی طرح وہ قراءت کر سکے لیکن جو کام آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اسے کیوں چھوڑا جائے۔ یہ کوشش کرنا کہ ہم قاری کی طرح ہی ادا کریں درست نہیں کیونکہ اس کی طاقت ہمیں خدا نے نہیں بخشی۔ میری مرحومہ بیوی اُمِّ طاہر بیان کیا کرتی تھیں کہ ان کے والد صاحب کو قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے کا بڑا شوق تھا۔ انہوں نے اپنے لڑکوں کو قرآن پڑھانے کے لئے استاد رکھے ہوئے تھے اور لڑکی کو بھی قرآن پڑھنے کے لئے ان کے سپرد کیا ہوا تھا۔ اُمِّ طاہر بتایا کرتی تھیں کہ وہ استاد بہت مارا کرتے تھے اور ہماری انگلیوں میں شاخیں ڈال ڈال کر ان کو دباتے تھے مارتے

تھے پیٹتے تھے اس لئے کہ ہم ٹھیک طور پر تلفّظ کیوں ادا نہیں کرتے ۔ہم پنجابی لوگوں کا لہجہ ہی ایسا ہے کہ ہم عربوں کی طرح عربی کے الفاظ ادا نہیں کر سکتے ۔

لاہور میں ایک میاں چٹّو رہا کرتے تھے وہ بعد میں چکڑالوی ہو گئے ان کے پاس ایک عرب آیا اور وہ اُس کو لے کر قادیان پہنچے ان دنوں صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید جو علاقہ خوست کے ایک بہت بڑے بزرگ تھے یہاں تک کہ امیر امان اللہ خاں کے دادا حبیب اللہ خاں کی رسم تاجپوشی بھی انہی سے کروائی گئی تھی ، وہ بھی قادیان میں آئے ہوئے تھے ۔ وہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو تین دفعہ ض کا استعمال کیا ۔ آپ کا لہجہ اگرچہ درست تھا لیکن لکھنو کے آدمی جیسے اسے ادا کرتے ہیں آپ ویسے ادا نہیں کر سکتے تھے دو چار دفعہ آپ نے یہ لفظ استعمال کیا تو وہ عرب جو کئی سال سے لکھنؤ میں رہتا تھا اور اردو بولتا تھا اس نے کہا آپ کو کس نے مسیح موعود بنایا ہے؟ آپ کو توض بھی صحیح طور پر ادا کرنا نہیں آتا ۔ صاحبزادہ صاحب بڑے عالم تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ اس کی کیا حقیقت ہے ۔ وہ غصہ میں آ گئے اور اسے مارنے کے لئے اپنا ہاتھ اُٹھایا ۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے دیکھ لیا ۔ آپ نے اسے چھڑانے کی کوشش کی ۔ آپ چونکہ پٹھان اور طاقتور تھے اور مولوی عبدالکریم صاحب اکیلے اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ آپ اسے مار بیٹھیں گے ۔ اب دیکھو اس عرب نے یہ کیسی لغو حرکت کی ۔ ہر ملک کا الگ الگ لہجہ ہوتا ہے ۔

عرب خود کہتے ہیں کہ ہم ناطقین بِالضاد[1] ہیں ، ہندوستانی اسے ادا نہیں کر سکتے ۔ ہندوستان میں ض کو قریب ترین ادا کرنے والوں میں سے ایک میں ہوں لیکن میں بھی یہ نہیں کہتا کہ میں اسے بالکل صحیح ادا کرتا ہوں ۔ قریب ترین ہی ادا کرتا ہوں ۔ ہندوستانی لوگ اسے دواد یا ضاد پڑھتے ہیں لیکن اس کے مخارج اور ہیں پس جب عرب خود کہتا ہے کہ ہم ناطقین بِالضاد ہیں اور کوئی اسے صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتا تو پھر اعتراض کی بات ہی کیا ہوئی ۔ جرمن لوگوں کو لے لو وہ گڈ اور گاڈ کے لفظوں کو ادا نہیں کر سکتے ۔ وہ یا گڈ کہیں گے یا گوٹھ کہیں گے ۔ پس میں یہ تو نہیں کہتا کہ ہم ان الفاظ کو ادا کرنے کا اہتمام کریں جن کے ادا کرنے کے ہم قابل نہیں یہ تو محض

وقت کا ضیاع ہے لیکن الف ادا کرنا ہماری طاقت سے باہر نہیں ۔ مد کو ادا کرنا ہماری طاقت سے باہر نہیں ۔ اگر صحیح طور پر کوشش کی جائے تو قرآن کو ہم اپنے لہجہ کے لحاظ سے اچھی طرح ادا کر سکتے ہیں خصوصاً جبکہ گلا اچھا ہو۔

پھر تلاوت کے بعد جو نظم پڑھی گئی ہے وہ بھی اس دستور کے مطابق کہ عموماً پہلے چند اشعار ٹھیک پڑھے جاتے ہیں اور پھر غلطیاں شروع ہو جاتی ہیں ۔ اسی طرح انہوں نے بھی سات آٹھ اشعار تو ٹھیک پڑھے اور اس کے بعد غلطیاں شروع کر دیں جب جلسہ میں کوئی شخص تلاوت کرتا ہے یا نظم کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اس چھوٹی سی عبارت کا مجلس میں پڑھ لینا کوئی مشکل امر نہیں ہوتا اور اگر وہ خود اسے صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتا تو کسی واقف زبان سے درست کروالینا اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہوتا ۔ یہ قدرتی بات ہے کہ ایسی صورت میں سننے والے بجائے فائدہ اُٹھانے کے لفظی غلطیوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور اس طرح فائدہ سے محروم ہو جاتے ہیں اس لئے میں نصیحت کرتا ہوں کہ خدام صحیح طور پر قرآن کریم پڑھنا سیکھیں اور اُردو کی عبارتوں کو بھی صحیح ادا کرنے کی کوشش کیا کریں ۔

ایڈریس میں جن کاموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے میں ان سے خوش ہوں کہ انہوں نے ان کاموں کے کرنے کی کوشش کی ہے لیکن میں ان کی توجہ اس طرف پھرانا چاہتا ہوں کہ جس کام کے لئے ہم کھڑے ہوئے ہیں وہ اتنا عظیم الشان ہے کہ اس کے لئے یہ کوششیں کافی نہیں ہوسکتیں ۔ مخالف ہمارے مقصد کو نہیں سمجھتا تو وہ معذور ہے ۔ اگر وہ ضد یا ناواقفیت کی وجہ سے ہماری مخالفت کرتا ہے تو کوئی اعتراض کی بات نہیں وہ تو اس پر غور ہی نہیں کرنا چاہتا یا اگر غور کرتا ہے تو تعصب کی وجہ سے وہ صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا لیکن اگر ہم بھی اپنے مقصد کو نہ سمجھیں اور ہمارا بھی رویہ ایسا ہی ہو کہ ہم اپنے مقصد کو سمجھنے کی کوشش نہ کریں تو ہم پر یقیناً افسوس ہوگا ۔ ہمارا دعویٰ ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہمارا دعویٰ سچا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نازک حالت کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا اور اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی جماعت کے ذریعہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کو پھر سے دنیا میں قائم کر دے ۔ یہ مقصد ہے جس کے لئے ہمیں کھڑا کیا گیا ہے اور جس کی خدا تعالیٰ ہم سے امید کرتا ہے اور یہ

معمولی چیز نہیں۔ایک انسان کے لئے ایک انسان کی اصلاح بھی ناممکن ہے مگر ہم نے تمام دنیا کی اصلاح کرنی ہے۔اسلام کے ماننے والوں میں سے کتنے ہیں جو خوشی سے ان احکام کو مانتے ہیں اوران پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں۔ پھر جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم اسلام کے احکام پر عمل کرنے کے لئے تیار ہیں ان میں سے کتنے ہیں جو واقعہ میں عمل کرنے کے لئے تیار ہیں اور پھر جو عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں ان میں سے کتنے ہیں جو ان پر عمل کرکے صحیح طور پر کامیاب ہوئے ہیں۔

پہلا سوال تو یہ ہے کہ وہ اسلام کے معنی ہی نہیں سمجھتے ۔ ہر آدمی ایسی چیزوں اورعقائد کو جو رسم و رواج میں داخل ہیں الگ کر لیتا ہے اور کہتا ہے ان کو الگ کرلو باقی جو کچھ ہے وہ اسلام ہے۔کچھ عورتیں پردہ کی قائل نہیں ہیں وہ اس کو الگ کر لیتی ہیں اور کہتی ہیں بھلا اللہ تعالیٰ کو چھوٹے چھوٹے امور میں دخل دینے کی کیا ضرورت ہے۔ پردہ کو الگ کردو باقی جو کچھ ہے وہ اسلام ہے۔ ہمارے نوجوان جن کے لئے ڈاڑھی رکھنا مشکل ہے وہ کہہ دیتے ہیں یہ تو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی، باقی جو کچھ ہے وہ اسلام ہے۔سُود لینے والا کہہ دیتا ہے کہ بینکنگ تو نہایت ضروری چیز ہے اس لئے سُود کو چھوڑو، باقی جو کچھ ہے اسلام ہے۔غرض جس حکم کو وہ نہیں مانتا اس کے نزدیک وہ اسلام نہیں، باقی اموراسلام میں داخل ہیں تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے۔ سُود بھی اسلام میں داخل نہیں، نمازیں بھی اسلام میں داخل نہیں، ڈاڑھیاں بھی اسلام میں داخل نہیں تو پھر کچھ بھی اسلام میں داخل نہیں۔

مثل مشہور ہے کہ کوئی بُزدل آدمی تھا اسے وہم ہوگیا تھا کہ وہ بہت بہادر ہے۔وہ گودنے والے کے پاس گیا۔ پرانے زمانہ میں یہ رواج تھا کہ پہلوان اور بہادر لوگ اپنے بازو پر اپنے کیریکٹر اوراخلاق کے مطابق نشان کھدوا لیتے تھے۔ یہ بھی گودنے والے کے پاس گیا۔گودنے والے نے پوچھا تم کیا گُدوانا چاہتے ہو؟ اس نے کہا میں شیر گدوانا چاہتا ہوں۔ جب وہ شیر گودنے لگا تو اس نے سوئی چبھوئی ۔سوئی چبھونے سے درد تو ہونا ہی تھا وہ دلیر تو تھا نہیں اس نے کہا یہ کیا کرنے لگے ہو؟ گودنے والے نے کہا شیر گودنے لگا ہوں۔اس نے پوچھا شیر کا کونسا حصہ گودنے لگے ہو؟ اس نے کہا دُم گودنے لگا ہوں۔اس آدمی نے کہا شیر کی دُم اگر کٹ جائے

تو کیا وہ شیر نہیں رہتا؟ گودنے والے نے کہا شیر تو رہتا ہے۔ کہنے لگا اچھا دُم چھوڑ دو اور دوسرا کام کرو۔ اس نے پھر سوئی ماری تو وہ بول اُٹھا۔ اب کیا کرنے لگے ہو؟ اس نے کہا اب دایاں بازو گودنے لگا ہوں۔ اس آدمی نے کہا اگر شیر کا لڑائی یا مقابلہ کرتے ہوئے دایاں ہاتھ کٹ جائے تو کیا وہ شیر نہیں رہتا؟ اس نے کہا شیر تو رہتا ہے۔ کہنے لگا پھر اس کو چھوڑ و اور آگے چلو۔ اسی طرح وہ بایاں بازو گودنے لگا تو کہا اسے بھی رہنے دو کیا اس کے بغیر شیر نہیں رہتا؟ پھر ٹانگ گودنی چاہی تب بھی اس نے یہی کہا۔ آخر وہ بیٹھ گیا۔ اس آدمی نے پوچھا کام کیوں نہیں کرتے۔ گودنے والے نے کہا اب کچھ نہیں رہ گیا۔ یہی آجکل اسلام کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ لوگ اپنی مطلب کی چیزیں الگ کر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ باقی جو کچھ ہے وہ اسلام ہے۔

ہمارے نانا جان فرمایا کرتے تھے کہ چھوٹی عمر میں میری طبیعت بہت چلبلی تھی۔ آپ میر درد کے نواسے تھے اور دہلی کے رہنے والے تھے۔ وہاں آم بھی ہوتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے جب والدہ والد صاحب اور بہن بھائی صبح کے وقت آم چوسنے لگتے تو میں جو آم میٹھا ہوتا اس کو کھٹا کھٹا کہہ کر الگ رکھ لیتا اور باقی آم ان کے ساتھ مل کر کھا لیتا۔ جب آم ختم ہو جاتے تو میں کہتا میرا تو پیٹ نہیں بھرا۔ اچھا میں یہ کھٹے آم ہی کھا لیتا ہوں اور سارے آم کھا جاتا۔ ایک دن میرے بڑے بھائی جو بعد میں میر درد کے گدی نشین ہوئے انہوں نے کہا میرا بھی پیٹ نہیں بھرا میں بھی آج کھٹے آم چوس لیتا ہوں۔ فرماتے تھے میں نے بہتیرا زور لگایا مگر وہ باز نہ آئے۔ آخر انہوں نے آم چوسے اور کہا یہ آم تو بڑے میٹھے ہیں تم یونہی کہتے تھے کہ کھٹے ہیں۔ جس طرح وہ آم چوستے وقت میٹھے آم الگ کر لیتے تھے اور باقی دوسروں کے ساتھ مل کر چوس لیتے تھے اور بعد میں کھٹے کھٹے کہہ کر وہ بھی چوس لیتے تھے یہی حال آجکل کے مسلمانوں کا ہے۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کو نافذ کیا جائے ان کا اگر یہ حال ہو تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو اسلام کو جانتے ہی نہیں۔ وہ تو پھر ہڈیاں اور بوٹی کچھ بھی نہیں چھوڑیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں نے یہ لکھ لکھ کر کتابیں سیاہ کر ڈالی ہیں کہ اسلام کی تعلیم پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ کیا مصیبت ہے کہ انسان پورا ایک مہینہ روزے رکھتا جائے۔ اگر

معدہ خراب ہو جائے تب تو ہو کہ ایک آدھ دن کا روزہ رکھ لیا مگر متواتر ایک مہینہ روزہ رکھتے جانا کونسی عقل کی بات ہے۔ پھر یہ کام کا زمانہ ہے، رات اور دن کام کرنا ہوتا ہے اور دن میں کئی شفٹیں ہوتی ہیں اور روزانہ پانچ پانچ نمازوں کا پڑھنا اور پھر امام کے انتظار میں بیٹھے رہنا کونسی عقل کی بات ہے۔ بھلا اس طرح انڈسٹری کیسے چل سکتی ہے۔ یہ زمانہ تجارت کا ہے۔ بینکنگ کے علاوہ دوسرے مُلکوں سے ہم ضروری اشیاء کیسے حاصل کر سکتے ہیں۔تم کہتے ہو بینکنگ اُڑا دو۔اس طرح تو مُلک تباہ ہو جائے گا۔ پھر تجارت کیسے کی جائے گی۔اِسی طرح تم کہتے ہو انشورنس کو اُڑا دو۔انسان جتنا کماتا ہے، کھا جاتا ہے۔اگر اس کو اڑا دیا جائے تو مرنے والا تو مر گیا، یتیم بچوں کے لئے کچھ نہیں رہے گا اور اس طرح قوم پر ایک غیر معمولی بار پڑ جائے گا پھر عورتوں کی مدد کے بغیر مرد کام نہیں کر سکتا۔عورتیں مردوں کے دوش بدوش چلتی ہیں اور وہ ان کی عزت کا خیال کر کے ان کے اِکرام کے طور پر بڑی سے بڑی قربانی کر لیتا ہے۔اگر عورتوں کو پردہ میں بٹھا دیا جائے تو پھر دنیا کا کام کیسے چلے گا۔ یہ صفائی کا زمانہ ہے صحت ٹھیک ہونی چاہئے۔تم کہتے ہو ڈاڑھیاں رکھو اِس سے تو جوئیں پڑ جائیں گی اور میل بڑھ جائے گی، یہ بھی کوئی انسانیت ہے۔ جرمن والے تو ٹنڈ ہی کروا لیتے ہیں۔خوش قسمتی سے ہم پر انگریز حاکم تھے جس کے نتیجہ میں سروں کے بال محفوظ رہ گئے بلکہ بودے نکل آئے۔اگر جرمن حاکم ہوتے تو وہ سر کے بال بھی اُڑا دیتے۔

غرض تمام اسلامی احکام جو اسلام پیش کرتا ہے۔ان پر وہ اعتراض کرتے ہیں مثلاً ایک سے زیادہ شادیاں کرنا ہے۔وہ کہتے ہیں یہ بھی کوئی انصاف کی بات ہے، مرد کو اگر زیادہ شادیاں کرنے کا حق ہے تو عورت کو کیوں نہیں۔اسی طرح پہلے تو طلاق بھی بُری سمجھی جاتی تھی لیکن آجکل اسے بُرا نہیں سمجھا جاتا بلکہ ٹائمز آف لندن میں ایک دفعہ میں نے ایک واقعہ پڑھا کہ امریکہ میں ایک عورت تھی جب وہ فوت ہوئی تو وہ ۱۷ خاوند کر چکی تھی۔جن میں سے بارہ خاوند اس کے جنازے پر موجود تھے۔ پھر طلاق کی وجوہات بھی وہاں بہت معمولی ہوتی ہیں۔ ایک عورت نے لکھا کہ میں نے اپنے خاوند سے اس لئے طلاق لی کہ میں نے ایک ناول لکھا اور خاوند سے کہا کہ اس کو شائع کرنے کی اجازت دو۔اس نے کہا میں اس کی اجازت نہیں دے

سکتا۔ میں نے جج سے کہا میں ادبی عورت ہوں اور میرے کام میں میرا خاوند روک بنتا ہے اس لئے میں طلاق لینا چاہتی ہوں۔ جج نے کہا ٹھیک ہے، اس طرح تو ملک کا ادب خراب ہو جائے گا۔ غرض ساری باتیں ایسی ہی مضحکہ خیز نہیں مگر ایک زمانہ ایسا گذرا ہے کہ طلاق پر بڑا اعتراض کیا جاتا تھا اور طلاق کے بعد شادی کو فحش خیال کیا جاتا تھا۔ مگر اب وہی مسئلہ ہے جس پر دوسری قومیں بھی عمل کر رہی ہیں بلکہ اس میں حد سے زیادہ گذر گئی ہیں۔ پھر قریب کی شادیاں ہیں۔ عیسائی اور ہندو بھی اس پر اعتراض کرتے تھے۔ مگر اب مسودے تیار ہو رہے ہیں کہ اس کی اجازت ہونی چاہیئے۔ غرض اب غیر قومیں بھی اسلامی احکام کی فضیلت کو تسلیم کر رہی ہیں لیکن اسلام میں کوئی ایک حکم نہیں بلکہ ہزاروں احکام ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ بھلا وہ لوگ جو ہر وقت سوٹ پہننے کے دِلدادہ ہیں، آجکل حج کیسے کر سکتے ہیں وہاں اَنْ سلے کپڑے پہننے پڑتے ہیں ان کو یہ لوگ کیسے برداشت کر سکتے ہیں یہ تو کہیں گے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ یہ کیا بدتمیزی کی بات ہے۔

غرض یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ ان کو مسلمانوں میں بھی رائج کرنا مشکل ہے کجا یہ کہ ان کو یورپین ممالک میں رائج کیا جائے۔ وہ تو چھوٹی سے چھوٹی باتوں پر بھی اعتراض کر دیتے ہیں۔ ہمارے مبلّغ جب امریکہ میں گئے تو وہ وہاں دیسی لباس پہنا کرتے تھے۔ ایک دن دو عورتیں آئیں اور انہوں نے کہا ہم اسلام کے متعلق باتیں سننے آئی ہیں۔ ہمارے مبلّغ شلوار پہنے باہر آ گئے۔ وہ کمرے میں داخل ہوئے ہی تھے کہ وہ عورتیں شور مچا کر بھاگیں کہ ہمارے سامنے یہ شخص ننگا آ گیا ہے، ہماری ہتک ہے۔ مبلّغ نے کہا میں کیسے ننگا ہوں، میں نے تو شلوار پہنی ہوئی ہے لیکن ان کے نزدیک یہ نائٹ ڈریس تھا اور رات کو ہی پہنا جاتا تھا اور ان کے نزدیک نائٹ ڈریس میں آدمی ننگا ہوتا ہے۔ غرض بہت شور ہوا، محلّہ والے انہیں مارنے کو دَوڑے۔ اتنے میں کوئی پادری آ گئے اور انہوں نے کہا یہ تو ان کے ملک کا لباس ہے ان کے نزدیک ایسے شخص کو ننگا نہیں کہتے۔

میں جب انگلینڈ گیا تو میں نے چند گرم پاجامے سلوائے تھے مگر وہاں جا کر میں نے فیصلہ کیا کہ میں شلوار ہی پہنوں گا، میں ان کا لباس کیوں پہنوں۔ ہمارے جو وہاں مبلّغ تھے وہ

بار بار کہتے تھے کہ لوگ ہمارے متعلق کیا کہتے ہوں گے۔ مگر میں نے کہا جب ہمارے ملک میں انگریز جاتا ہے تو کیا وہ شلوار پہنتا ہے؟ اگر وہ شلوار نہیں پہنتا تو میں پتلون کیوں پہنوں۔ وہ کہتے تھے عورتیں آتی ہیں تو بُرا مناتی ہیں کیونکہ اس لباس میں وہ آدمی کو ننگا سمجھتی ہیں۔ میں نے کہا میں تو کپڑے پہنے ہوئے ہوں اور مجھے کپڑے نظر آرہے ہیں۔ ایک دن سرڈینی سن راس آئے جو لنڈن میں ایک کالج کے پرنسپل تھے۔ ان کے ساتھ دو اور بھی پروفیسر تھے۔ میں نے کہا۔ سرڈینی سن راس! میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اگر آپ بے تکلفی سے بتائیں۔ انہوں نے کہا پوچھ لیجئے۔ میں نے کہا جو لباس میں پہنے ہوئے ہوں، کیا آپ اور آپ کے دوست اسے بُرا تو نہیں مناتے؟ انہوں نے کہا سچ پوچھیں تو ہم بُرا مناتے ہیں۔ میں نے کہا آپ جب ہندوستان گئے تھے تو کیا آپ نے شلوار پہنی تھی اور اگر نہیں پہنی تھی تو کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ انگریز خود تو دوسروں کا لباس نہیں پہنتے مگر یہ حق رکھتے ہیں کہ دوسروں کو اپنا لباس پہننے پر مجبور کر دیں۔ کہنے لگے یہ بات اَنْ لاجیکل تو ہے لیکن ہم بُرا ضرور مناتے ہیں۔ پھر میں نے کہا میں ایک اور سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ بُرا تو مناتے ہیں مگر آپ کس کے کیریکٹر کو مضبوط سمجھتے ہیں؟ آیا اس کے کیریکٹر کو جو آپ کی رَو میں بہہ جائے یا جو اپنے طریق پر قائم رہے کیونکہ جو اپنے طریق پر قائم رہے وہی بہادر ہے۔ کہنے لگے جو اپنے طریق پر قائم رہے وہی بہادر ہے۔ میں نے کہا بس مجھے اس تعریف کی ضرورت ہے دوسری کسی بات کی میں پرواہ نہیں کرتا۔

غرض ہم اسلام کی باتوں کو دوسروں سے نہیں منوا سکتے جب تک ہم ان پر عمل کرنے میں رات دن ایک نہ کر دیں اور دعائیں کر کے ہمارے ناک نہ رگڑے جائیں اور اپنی کوششوں کو بڑھا نہ دیں۔ جب تک ہم دوسروں کی باتوں کو برداشت نہیں کر سکتے اور اپنے اندر ایک قسم کی دیوانگی پیدا نہیں کر لیتے اُس وقت تک ہم کوئی عظیم الشان تغیر پیدا نہیں کر سکتے۔ آج تک کوئی بھی بڑا کام نہیں ہوا جس کے کرنے والے کو لوگوں نے پاگل نہ کہا ہو۔ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ کیا اور ایک بڑے مقصد کو لے کر دنیا کے سامنے کھڑے ہو گئے تو کیا کوئی یہ خیال بھی کر سکتا تھا کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ دنیا کے سب لوگ کہتے تھے کہ یہ کام نہیں ہو سکتا یہ تو عقل کے خلاف ہے، بھلا اتنا بڑا تغیر دنیا میں کیسے پیدا ہو سکتا

ہے۔ان کے نزدیک آپ نے قوم کی تمام رسوم کو چھوڑ کر ایک نیا طریق اختیار کر لیا تھا۔ان کے اندر یہ احساس تھا کہ یہ کام نہیں ہوسکتا، اس لئے وہ آپ کو پاگل کہتے تھے لیکن آپ صرف منہ سے ہی نہیں کہتے تھے بلکہ جو کہتے تھے اس کے لئے پوری جدوجہد بھی کرتے تھے۔ جب ان کے کہنے کے بعد بھی آپ رات اور دن جدوجہد میں لگے رہے تو وہ کہتے یہ شخص پکا پاگل ہے مگر آپ برابر اس کے لئے اپنی زندگی کو لگاتے چلے گئے کیونکہ آپ کو یہ یقین تھا کہ یہ کام آپ کر کے چھوڑیں گے اور اس میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

توحید کے مسئلہ کو لے لو جس کو آجکل بڑے فخر کے ساتھ تم لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہو اور تمہاری گردنیں ان کے سامنے بلند رہتی ہیں۔تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ فطرتی مسئلہ ہے حالانکہ اس مسئلہ کو بھی وہ مجنونانہ خیال سمجھتے تھے۔قرآن میں آتا ہے کہ اَجَعَلَ الْاٰلِھَةَ اِلٰھًا وَّاحِدًا[۲] وہ لوگ یہ خیال بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ایک خدا ہوسکتا ہے، ان کے نزدیک تو کئی خدا تھے۔ان کا یہ خیال تھا کہ آپؐ نے سارے خداؤں کو کوٹ کر ایک خدا بنا لیا ہے۔ان کے ذہنوں میں ایک خدا کا مسئلہ آتا ہی نہیں تھا۔

بھیرہ کے ایک طبیب تھے جن کا نام الٰہ دین تھا۔انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی کتب کو پڑھا ہوا تھا۔وہ آپ کے بہت معتقد تھے لیکن احمدی نہیں ہوئے تھے۔ان کے پاس ان کا ایک مریض احمدی چلا گیا اور اس نے تبلیغ شروع کر دی۔آپ کے دعویٰ کا انہیں علم تھا وہ اپنے آپ کو بہت بڑا عالم سمجھتے تھے اور حضرت خلیفہ اول جن کے علم و فضل کا ہر ایک اقرار کرتا ہے وہ ان کے متعلق کہا کرتے تھے کہ نورالدین کیا جانتا ہے، وہ تو صرف ابتدائی باتیں جانتا ہے۔ جب اس دوست نے انہیں تبلیغ کی تو کہنے لگے میاں جانے بھی دو کیا مرزا صاحب کی کتابوں کو تم مجھ سے زیادہ سمجھتے ہو۔میں آپ کی کتابوں کو جتنا سمجھتا ہوں تم نہیں سمجھتے۔ میں نے آپ کی کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا ہوا ہے۔آپ بڑے عالم ہیں کیا وہ اتنی بڑی بیوقوفی کی بات کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے ہیں۔قرآن میں صاف لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں۔ بھلا آپ جیسا عالم یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ زندہ نہیں۔اصل میں تم نے کتابوں کو غور سے پڑھا نہیں۔ مجھے اصل بات کا پتہ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب آپ نے براہین احمدیہ لکھی تو اس میں اسلام کی صداقت کو اتنے زبردست دلائل کے ساتھ ثابت کیا کہ آپ سے قبل ۱۳۰۰ سال تک کسی عالم سے ایسا نہیں ہو سکا تھا اور وہ ایسے دلائل تھے کہ ان کے سامنے عیسائی اور ہندو ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ مگر مولویوں کی عقل ماری گئی اور بجائے خوش ہونے کے انہوں نے آپ پر کفر کے فتوے لگانے شروع کر دیئے۔ مرزا صاحب نے کہا اچھا اب میں تم سے اس کا بدلہ لیتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانا سیدھی سادھی بات ہے لیکن اب میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ اگر تم میں ہمت ہے تو تم اس سیدھی سادھی بات کو ثابت کر کے دکھا دو۔ پس یہ تو محض ان کی عقل کا امتحان لینے کے لئے مرزا صاحب نے کیا تھا۔ اگر یہ سب مولوی آپ سے جا کر معافی مانگ لیں تو آپ اسی قرآن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ ثابت کر دیں۔ غرض جس طرح ان کے خیال میں حیاتِ مسیح کا مسئلہ ایک ثابت شُدہ مسئلہ تھا اسی طرح مکہ والوں کے نزدیک کئی خداؤں کا ہونا ایک ثابت شُدہ مسئلہ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ محمد رسول اللہ نے سب خداؤں کا قیمہ کر کے ایک بنالیا ہے۔ مگر پھر دیکھو آپ نے ان سے یہ مسئلہ منوالیا یا نہیں۔ وہ جو سمجھتے تھے کہ کئی خدا ہیں ان کا یہ حال ہو گیا۔

جب مکہ فتح ہوا تو چند ایسے آدمی تھے جن کو معاف کرنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب نہ سمجھا، اوران کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔ ان میں سے ایک ہندہ ابوسفیان کی بیوی بھی تھی۔ یہ وہی عورت ہے جس نے حضرت حمزہؓ کا مثلہ کروایا تھا۔ آپؐ نے مناسب سمجھا کہ اسے اس ظالمانہ فعل اور خلافِ انسانیت حرکت کی سزا دی جائے۔ اُس وقت پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ جب عورتیں بیعت کے لئے آئیں تو ہندہ بھی چادر اوڑھ کر ساتھ آ گئی اور اُس نے بیعت کر لی۔ جب وہ اس فقرہ پر پہنچی کہ ہم شرک نہیں کریں گی تو چونکہ وہ بڑی تیز طبیعت تھی اُس نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! ہم اب بھی شرک کریں گی؟ آپؐ اکیلے تھے اور ہم نے پوری طاقت اور قوت کے ساتھ آپ کا مقابلہ کیا۔ اگر ہمارے خدا سچے ہوتے تو آپ کیوں کامیاب ہوتے۔ وہ بالکل بیکار ثابت ہوئے اور ہم ہار گئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہندہ ہے؟ آپؐ اس کی آواز کو پہچانتے تھے، آخر رشتہ دار ہی تھی۔ ہندہ نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہ! اب میں مسلمان

ہو چکی ہوں اب آپ کو مجھے قتل کرنے کا اختیار نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور فرمایا ہاں اب تم پر کوئی گرفت نہیں ہو سکتی۔[۳]

غرض وہ قوم جو سمجھتی تھی کہ آپ نے سب خداؤں کو کوٹ کر ایک خدا بنالیا ہے ان میں اتنا تغیر پیدا ہو گیا کہ ہندہ جیسی عورت نے کہا کہ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ خدا ایک نہیں۔ اسی طرح ہم سمجھتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب تمام دنیا صداقت اسلام کی قائل ہو جائے گی۔ اب تو یہ حالت ہے کہ ایک مسلمان اپنی عملی کمزوریوں کی وجہ سے دوسروں کے سامنے شرمندہ ہو جاتا ہے لیکن ایک دن آئے گا جبکہ یورپین اقوام بھی ان احکام کو تسلیم کریں گی اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ لوگ بادشاہوں کے مذہب کے تابع ہوتے ہیں بے شک کچھ لوگ وہ بھی ہوتے ہیں جو نقال ہوا کرتے ہیں۔ جیسے شروع شروع میں مسلمان آئے تو ہندو بھی فارسی بولنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ اسی طرح جیسا کوئی فیشن ہو جائے لوگ بھی وہی اختیار کر لیتے ہیں۔ اُس وقت ہندوؤں نے بھی داڑھیاں رکھ لی تھیں مگر جب انگریزوں کا زمانہ آیا تو داڑھی منڈوانا شروع کر دی۔ چھوٹے کوٹ پہننے شروع کر دیئے۔

جب اسلام غالب آئے گا تو ہر انسان اس بات میں فخر محسوس کرے گا کہ وہ اسلام کی تعلیم پر عمل کرے لیکن جب تک اسلام غالب نہیں آتا ہمیں بڑی بڑی قربانیاں کرنی پڑیں گی اور اپنے نفسوں کو مارنا ہوگا۔ جب تک ہم اپنے نفسوں کو مار کر موجودہ رسم ورواج کے خلاف اپنے آپ کو نہیں اُبھاریں گے، دریا کی دھار کے خلاف تیرنے کی کوشش نہیں کریں گے، ملامت کی تلوار کے نیچے، ہنسی اور مذاق کی تلوار کے نیچے، سیاسی لوگوں کے سیاسی اعتراضات کی تلوار کے نیچے، مذہبی اور فلسفی لوگوں کے اعتراضات کی تلوار کے نیچے اپنا سر رکھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اُس وقت تک اس عظیم الشان مقصد کے پورا کرنے کی ہمیں امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ دنیا میں آج تک کوئی قوم ایسی نہیں گذری جس نے صرف میٹھی میٹھی باتوں سے دنیا کو فتح کر لیا ہو۔ قومیں ہمیشہ مصیبتوں اور ابتلاؤں کی تلواروں کے سایہ تلے بڑھتی اور ترقی کرتی ہیں اور انہیں لوگوں کے اعتراضات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ پس اپنے آپ کو اِس فتح کا اہل بناؤ۔ جب تک آپ لوگ خدا اور اس کے رسولؐ کے دیوانے نہیں بن جاتے، جب تک موجودہ فیشن اور رسم ورواج

کو کچلنے کے لئے تیار نہیں ہو جاتے اُس وقت تک اسلامی احکام کو ایک غیر مسلم کبھی بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا۔

انگلینڈ سے مجھے ایک غیر مسلمہ کا خط آیا۔ وہ احمدی تو ہو چکی ہے مگر تعلیم ابھی کم ہے۔ وہ ہمارے مبلّغ کے متعلق لکھتی ہے کہ جب میں ان کے لیکچر میں جاتی ہوں تو جو کچھ وہ کہتے ہیں میں سمجھتی ہوں کہ یہ ناممکن ہے، اسے کیسے قبول کیا جا سکتا ہے مگر جب میں ان کے جوش اور ان کے چہرہ کی حالت دیکھتی ہوں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے اور میرا دل تسلی پا جاتا ہے کہ آخر یہ ہو کر رہے گا۔ غرض جب لوگ ہمارے عزم کو دیکھ کر ہمارے اندر سنجیدگی اور جوش دیکھیں گے تو وہ انہیں خود بخود ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔

پس پہلے اپنے اندر جوش اور سنجیدگی پیدا کرنی چاہئے پھر ہم دوسروں کی توجہ کو بھی پھیر سکیں گے اور وہ سمجھ لیں گے کہ اسلام کی باتیں سچی ہیں اور وہ ان پر سچے دل سے غور کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور پھر اسلام اُس مقام پر پہنچ جائے گا جس پر آج سے تیرہ سَو سال پہلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنچایا تھا۔

(الفضل ۱۱/۱ اکتوبر ۱۹۶۱ء)

---

۱ ناطقین بِالضاد: ض بولنے والے

۲ ص : ۶

۳ السیرة الحلبیة جلد۳ صفحہ۹۴ تا ۹۶ مطبوعہ بیروت ۱۳۲۰ھ